محمد شہباز
لیکچرار شعبۂ اُردو، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور
مجاہد حسین
لیکچرار شعبۂ اُردو، گورنمنٹ ڈگری کالج فار بوائز شالیمار ٹاؤن، لاہور

"کئی چاند تھے سرِ آسماں": تاریخی و ادبی کردار

Muhammad Shahbaz
Lecturer, Department of Urdu, Government Islamia College, Civil Lines, Lahore
Mujahid Hussain
Lecturer in Urdu, Government Degree College for Boys Shalimar Town, Lahore.

"Kai Chand they Sar-e-Asman": Historical and Poetic Characters

Shamsur Rehman Farooqi's novel "Kai Chand They Sar-e-Asman" is ranked as one of the seminal works of the first decade of the twenty first century. In this work, Farooqi has in the wake of countours of Indo-Islamic civilization has brought out through some very living and thriving historical and literary characters. The researcher has through analytical lens brought out the exquisite way Farooqi has crafted the historical and literary characters of his novel.

Key Words: *Farooqi, Novel, Indo Islamic Civilization, Historical Characters, Poetic Characters.*

"کئی چاند تھے سرِ آسماں" عہدِ حاضر میں تخلیق ہونے والا شمس الرحمن فاروقی (۱۹۳۵ء۔۲۰۲۰ء) کاایک ایسا ادبی شاہ کار ہے، جس میں فاروقی نے بعض ایسے کرداروں کو ناول کی کہانی میں پرویا ہے، جو اِس ناول کی تخلیق سے پہلے ہی تاریخی و ادبی سطح پر ایک منفرد مقام کے حامل تھے۔ فی الاصل اِس ناول کے بعض کردار ایک مخصوص ماحول اور انسانی معاشرے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ گو کہ اِس ناول کے بیشتر کردار تاریخی و ادبی دنیا کا حصہ ہیں، تاہم مصنف نے اِنھیں ایک مؤرخ یا ناقد کی آنکھ سے دیکھنے کے بجائے ایک منجھے ہوئے ناول نگار کی نظر سے دیکھا ہے اور ناولیت پر تاریخیت کو غالب نہیں آنے دیا، تاہم ضرورت

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کے مطابق تخیّل آمیزی سے کام لے کر اِن کرداروں کو زندگی کے اورزیادہ قریب کر دیاہے۔یوں بھی کسی کردار کی اپنی ذاتی زندگی اِس قدر اہم اور قابلِ توجہ نہیں ہوتی،جس قدر کہ ایک ناول نگاراپنی قوّتِ متخیّلہ سے اُسے پُر کیف بنا دیتا ہے ۔[۱] بہ قول ڈاکٹر محمد یٰسین:

> "ناول بحیثیت صنفِ ادب کےزندگی کی واقعیت اورمصنف کے تخیل کی پیداوارہے۔یہ نہ تو"سیرت" (Biography)ہے اورنہ "سرگذشت"(Auto Biography)۔ سیرت نگاری کے لیے صداقت بیانی اوّلین شرط ہے،مگر ناول نگاری میں واقعات اور کرداروں کو نمایاں کرنے کے لیے واقعیت کے ساتھ حسین دروغ گوئی کا بھی سہارالیا جاتا ہے۔"[۲]

غورطلب امر یہ ہے کہ اِس ناول میں فاروقی نے کردارنویسی کے لیے تشریحی اور ڈرامائی دونوں طریقوں سے کام لیا ہے۔ تشریحی انداز سے مراد یہ ہے کہ مصنف نے ناول کے بعض حصوں میں شخصیت کشائی کے لیے کرداروں کے نظریات و خیالات اور جذبات واحساسات کو بیان کرتے ہوئے اُن پر اپنی رائے کا اظہار کیاہے۔ایسے مواقع پر قاری کادھیان مسلسل مصنف کی جانب مبذول رہتاہے،جب کہ ڈرامائی انداز سے مرادیہ ہے کہ کردار اپنی حرکات و سکنات،اندازِ گفتگو اور اپنے چال چلن سے اپنے آپ کوبہ ذاتِ خودرُوشناس کرواتے ہوئے مجسّم صورت میں قاری سے براہِ راست ہم کلام ہوتا ہے،جس کی بہ دولت مصنف کی ذات فراموش ہوجاتی ہے۔مؤخرالذّکر طریقہ زیادہ مستحسن خیال کیا جاتا ہے اورشمس الرحمن فاروقی نے بھی زیادہ تر اِسی حربے سے استفادہ کیا ہے۔

واضح رہے کہ اِس ناول میں سادہ یا سپاٹ(Flat Character)کردار بھی ہیں اورتہہ دار یا مکمل(Round Character) بھی۔سادہ یاسپاٹ کرداربالعموم بےجان اوربعیدازحقیقت خیال کیے جاتے ہیں۔اِسی بناپرایسے کرداروں کو آدھے یانا مکمل کردار(Half Character) بھی کہاجاتاہے،جب کہ پہلوداریامکمل کردارجملہ انسانی اوصاف سے مملو ہوتے ہیں،تاہم اِن دونوں طرح کے کرداروں کا اکٹھے ایک ناول میں ہونا کوئی بُری بات بھی نہیں،تاہم اوّلیت اورترجیح ثانی الذّکر کرداروں کو ہی حاصل ہےاوراِس نوع کے کردارناول کومدتوں تروتازہ بھی رکھتے ہیں۔اِس ناول میں بعض کردارایسے بھی ہیں،جن کی خواہشات اورجذبات میں آویزش کی کیفیت پائی جاتی ہے اوریہی تصادم اِس ناول کودل کشی اوررعنائی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

عطا کرتا ہے۔گویااِس ناول میں واقعاتی ناول(Novel of Incident)اور کرداری ناول(Novel of Character) دونوں کی خصوصیات یکساں طور پر موجود ہیں۔کہنا پڑتا ہے کہ فاروقی کے قلم سے خلق ہونے والے یہ کردار خیالی ومثالی انسانی چربے یا کاٹھ کے گھوڑے نہیں، بل کہ گوشت پوست کے زندہ وجاوید ایسے کردار ہیں،جوجدید نثری ادب کاوقیع سرمایہ ہیں۔اِس ضمن میں سیّدارشاد حیدر کی رائے بڑی صائب معلوم ہوتی ہے کہ:

> "فرضی کرداروں کے مزاج اور خط و خال واضح کرنااِتنا مشکل نہیں جتنا کہ تاریخی کرداروں کے مزاج اورخط و خال بیان کرنا۔مصنف نے کردار سازی میں ایک مصوّر جیسا کارنامہ انجام دیاہے،اُس نے لفظوں سے وہ مصوّری کی ہے کہ کردار کے مزاج، خط و خال،لباس اور اُن کی زبان،اُن کی جسمانی حرکت وغیرہ اِس قدر واضح ہوگئے ہیں جیسے وہ ہمارے سامنے موجود ہوں۔"(۳)

اِسی امر کے پیشِ نظر شمس الرحمن فاروقی نےاِس ناول کی کہانی کاتانابانا(Warf and Woof)نواب مرزا خان داغؔ (۱۸۳۱ء۔ ۱۹۰۵ء)کی والدہ وزیر بیگم(۱۸۱۱ء۔۱۸۷۹ء) کی نجی زندگی کے گرد بُنا ہے،جس کی ذات کسی نہ کسی نہج سے اُردو ادب کے نام ور شعرا وادباسے وابستہ رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ فاروقی نے کئی ایک شعرا کو اِس ناول میں کرداروں کی صورت میں پیش کیاہے،فی الاصل انھی تاریخی وادبی مشاہیر کا تذکرہ ذیل میں پیش ہے۔

اِس ناول کا سب سے اہم تاریخی و ادبی کردارظلِ سبحانی،ابوالظفرسراج الدین بہادر(۱۷۷۵ء۔۱۸۶۲ء) کاہے،جواکبر شاہ ثانی(۱۷۶۰ء ۔ ۱۸۳۷ء) کی وفات کے بعد آخری مغل تاج دار کی حیثیت سے۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوا، لیکن اُس کی حکومت قلعے کی چار دیواری تک ہی محدود تھی۔بہادرشاہ ظفر دراصل ایک بے طاقت اور برائے نام بادشاہ تھا،جس کی حیثیت بعض معاملات میں ایک پولیٹیکل ایجنٹ (Political Agent) کی سر زنش یا جواب طلبی کرنے کی بھی نہ تھی۔اِس کاواضح ثبوت یہ ہے کہ ولیم فریزر (William Faraser) (۱۷۸۴ء ۔ ۱۸۳۵ء) اور حکیم احسن اللہ خان(۹۸۔۱۷۹۷ء۔۱۸۷۳ء)کے درمیان تلخی کے بعدجب حکیم احسن اللہ خان کو انگریزوں کی طرف سے نا

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

پسندیدہ شخص قرار دیا گیا تواُس کی ساکھ کی بحالی کے لیے۱۸۴۶ءمیں بہادر شاہ ظفر نے بہ نفسِ نفیس کوششیں کیں،لیکن انگریزوں کے دل سے وہ حکیم صاحب کے لیے کدورت کی گرد صاف نہ کرسکا۔

بہادرشاہ ظفر نے زینت محل(۱۸۲۳ء۔۱۸۸۶ء)سے۱۸۴۰ءمیں اُس وقت شادی کی جب اُس کی عمر تریسٹھ برس اور زینت محل کی عمر محض اُنیس برس تھی۔بلا شبہ ملکۂ دوراں نے ظلِ سبحانی کو اپنے بس میں کر رکھا تھا اور بہادر شاہ ظفر بھی اُس کی محبت میں بہ مشکل ہی اُس کی کوئی بات رد کیا کرتا تھا۔[۴]اِس ضمن میں خلیق احمد نظامی (۱۹۲۵ء۔۱۹۹۷ء)لکھتے ہیں:

"ملکہ زینت محل نے بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل حاصل کر لیا تھا۔سلطنت کے تمام کار پردازوں کے نام حکم جاری کیا گیا تھا کہ جس دستاویز پر نواب زینت محل کی مہر نہ ہوگی وہ غیر معتبر سمجھا جائے گا۔"[۵]

زینت محل نے اپنے بیٹے جواں بخت(۱۸۴۱ء۔۱۸۸۴ء)کوولی عہد بنوانے کے لیے،دیگر کوششوں کے ساتھ ساتھ بالآخر بہادرشاہ ظفر کوبھی مجبور کردیا کہ وہ بھی انگریزحکام کو تحریری طورپر لکھ کربھیجیں۔یوں بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ بہادر شاہ ظفر زینت محل کے ہاتھوں محض ایک کھلوناتھا۔دوسرے یہ کہ جب زینت محل داغؔ کی والدہ وزیر خانم کو قلعہ بدر کرتی ہے تواِن حالات میں بہادرشاہ ظفر اپنا کوئی مثبت کردار ادا کرنے میں کُلیتاً ناکام رہا۔ظلِ سبحانی کو اپنے بیوی بچوں اور قلعہ کی خانگی زندگی سے مکمل آگاہی رہتی تھی، مگروہ اکثر چپ سادھ لینے کوہی اپنی کام یابی تصوّر کیا کرتا تھا۔کہہ سکتے ہیں کہ بہادرشاہ ظفر ایک بے بس اور غیر فعّال قسم کے بادشاہ کاکردار ہے۔

اِس ناول کاایک اوراہم کرداروِلی عہدمرزامحمدسلطان فتح الملک شاہ بہادرعرف مرزا غلام فخرالدین(۱۸۱۲ء۔۱۸۵۶ء)،ظلِ سبحانی بہادرشاہ ظفر کا بیٹا،جو شکل وصورت میں بھی ہوبہو اپنے باپ کی طرح تھا،مگر اُس کا چہیتاہرگزنہ تھا۔فنِ رقص و موسیقی میں مہاراج کا درجہ رکھنےوالایہ کردارشہ سواری اورنیزہ بازی میں بھی برق تھا۔انگریزی،اُردواورفارسی کاماہرہونےکےساتھ ساتھ شاعری میں اُستاد ابراہیم ذوقؔ(۱۷۹۰ء ۔ ۱۸۵۴ء)کاشاگرد بھی تھااور"رمز"تخلص کیا کرتا تھا۔وزیرخانم کے حسن و جمال کی شہرت سن کر شبیہ سازسے اُس کی تصویر بنواکر اُسے دیوانوں کی طرح چھپ چھپ کردیکھتاہے،گوکہ اِس سے قبل بھی وہ دو شادیاں کر چکا تھا،مگر وہ اپنی پہلی دونوں بیویوں سےکسی طور بھی خوش نہ تھا۔وزیر خانم کے

سلسلے میں وہ اُستاد ذوق سے مشورہ اور حکیم احسن اللہ خان اور امام صہبائی (۱۸۰۲ء۔ ۱۸۵۷ء) سے مدد حاصل کرتا ہے۔ بالآخر وزیر خانم سے اُس کی شادی ہو جاتی ہے۔ اِس سارے عمل میں میرزا فخرو سلطان کا کردار ایک ولی عہد اور شاہ زادے کے بجائے ایک دل پھینک عاشق کی طرح معلوم ہوتا ہے، تاہم بیدار مغزی، خوش گفتاری، شاہی جاہ و جلال اور حالاتِ حاضرہ سے آگاہی اُس کے کردار کی اہم خوبیاں ہیں۔

ظلِ سبحانی بہادر شاہ ظفر کے اُستاد کے منصب پر فائز اُستاد ابراہیم ذوق کا کردار اِس ناول میں قدرے مختصر مدت کے لیے قاری کے سامنے آتا ہے، مگر اہمیت کے اعتبار سے اس کا کردار اِس ناول میں ناگزیر کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ قلعے میں اس کا بے حد احترام اور خوب آؤ بھگت کی جاتی تھی۔ اُسے قلعے کی اندرونی سیاست سے براہِ راست تو کوئی سروکار نہ تھا، تاہم انفرادی سطح پر اُسے قلعے کی داخلی سیاست سے مکمل آگاہی رہتی تھی۔ مختصر یہ کہ اُستاد ابراہیم ذوق کا کردار ایک دُوراندیش، حاضر دماغ اور پُر اعتماد شخص کا کردار ہے۔

مرزا غالب (۱۷۹۷ء۔۱۸۶۹ء) اِس ناول میں ادبی دنیا سے تعلق رکھنے والی ایک اور ادبی شخصیت کا کردار ہے۔ ناول کے دوران مرزا غالب اور نواب شمس الدین احمد خان (۱۸۰۹ء۔۱۸۳۵ء) کی درپردہ لہجے و کلام کی ترشی سے اُن کے باہمی مناقشات کی تہیں آہستہ آہستہ کھلتی چلی جاتی ہیں۔ ولیم فریزر کے ہاں شعر و سخن کی محفل میں شمس الدین احمد خان اور مرزا غالب کے مابین ہلکی سی غیر محسوس نوک جھونک ہوئی، جو جلد ہی رفع ہوگئی، تاہم باطنی تلخیوں کو جاننے والے بہ خوبی سمجھ گئے۔ یہ محفل فی الاصل وزیر خانم کی توجہ حاصل کرنے کے لیے برپا کی گئی تھی۔ مرزا غالب، شمس الدین احمد خان کے رشتے کے بہنوئی بھی تھے۔ مرزا غالب نے نواب شمس الدین احمد خان کی دشمنی میں درپردہ زیادہ اور اعلانیہ ذرا کم کم حصہ لیا۔ مرزا غالب نے نواب امین الدین احمد خان (پ:۱۸۱۴ء) کی جائیداد کی بازیابی کے لیے لوگوں کو تعارفی و سفارشی خطوط بھی لکھے۔ گوکہ نواب شمس الدین احمد خان مال و مرتبے کے لحاظ سے دنیاوی سطح پر اُن پر فوقیت رکھتے تھے، مگر غالب اُنھیں اُن کی غیر کفو والدہ کی وجہ سے نسباً کم تر سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ: "غالب کے دل میں شمس الدین احمد کے تئیں کشا کش کا احساس لازمی تھا۔"(۶) ولیم فریزر کے قتل کے ضمن میں مرزا غالب کو تفتیش کے لیے بلایا گیا تو اُس نے نواب شمس الدین احمد خان کے حق میں ایک لفظ نہ کہا۔ نہ صرف یہ بل کہ مرزا غالب کا عناد نواب شمس الدین احمد خان کے خلاف اُس زمانے کی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

تحریروں میں بھی ملتا ہے۔مرزا غالبؔ کی طبیعت میں موقع شناسی کاملکہ حد سے سوا تھا،تاہم اِس کے ساتھ ساتھ وہ ایک فراخ دل انسان بھی تھے،اِس کا ثبوت یہ ہے کہ نواب شمس الدین احمد خان کے ساتھ مرزا غالبؔ کے تعلقات انتہائی خراب تھے،مگرجب نواب مرزا داغؔ اُن سے ملنے آئے تو اُنھوں نے نواب مرزا داغؔ کی دل سے آؤ بھگت کرتے ہوئے بے انتہا اپنائیت سے کہا کہ : "اماں تم ہی نواب مرزاہو،بھائی شمس الدین احمد کے بیٹے۔آؤ آؤ میں تمھیں ہی ڈھونڈ رہا تھا۔"(۷)پھر مرزاغالبؔ نے مرزا داغؔ کو نہ صرف بڑے پیار سے اپنے دائیں جانب بٹھایا،بل کہ اُن کی شاعری کی دل کھول کر تعریف بھی کی،تاہم مجموعی طور پر مرزاغالبؔ کاکردار ایک منفی سوچ کے حامل فرد کانقشہ پیش کرتاہے۔

اساسی طور پر تو مرزا داغؔ دہلوی(۱۸۳۱ء۔۱۹۰۵ء) ایک خوش فکر شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں،مگر اِس ناول میں فاروقی نے اِس ادبی شخصیت کو ایک کردار کی صورت میں پیش کیاہے۔مرزا داغؔ کی طبیعت میں انتہا درجے کی قوت ِبرداشت پائی جاتی تھی۔مثال کے طور پر ظہیر دہلوی(۱۸۲۵ء۔۱۹۱۱ء) جب ولی عہد میرزا فخروسلطان کا کسی مصوّر سےوزیر خانم کی تصویر بنوانے والا واقعہ داغؔ کے گوش گزار کرتاہے توداغؔ اُس پر اپناکوئی ردِعمل ظاہر نہیں کرتا،حالاں کہ اُس کاباپ ایسے معاملات میں زندگی اور موت کے فرق کوبھول جاتاتھا۔اِس ضمن میں جہانگیرہ اورولیم فریزرکے ساتھ منسوب من گھڑت واقعہ ہی مثال کے طور پر کافی ہے۔اپنی ماں کی طوائفیت کاحال بھی داغؔ کومعلوم تھا،مگراِس بات پر بھی نہ تووہ رنجیدہ خاطر ہوا اورنہ ہی اُس نے اپنی ماں کوکبھی اُس کی گذشتہ زندگی کی غلطیوں کاطعنہ دیا۔مرزاداغؔ اِس ناول میں صرف اپنی والدہ سے ہی کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کرتاہے۔داغؔ کا بچپن دلاسوں اور تسلیوں میں گزرا۔نہ صرف یہ کہ مرزاداغؔ کواپنے باپ کی محبت سے محرومی ہوئی،بل کہ بعدازاں اُسے ماں کی محبت سے دست کش ہوکررام پور جاناپڑااور ساتھ ہی ساتھ نانا کی محبت سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔وقت کے ساتھ ساتھ داغؔ کی باتوں میں پختگی اور سنجیدگی آتی چلی گئی۔داغؔ اپنی ماں کی محبت میں اُس کاہر فیصلہ قبول کرلیتاہے۔اپنی مرضی سے بہت کم فیصلے لیتاہے،جو ماں کہتی وہی کرتاہے اوروہ جہاں رہنے کا مشورہ دیتی ہے،وہ وہیں رہنا شروع کر دیتا ہے۔آغا تراب علی اور میرزا فخرو سے شادی کے وقت داغؔ اپنی ماں کے راستے کی دیوار بننے کے بجائے اُس کی دل جوئی کرتاہے اور اُس کے اَن دیکھے اورخود ساختہ خدشات و تردّدات کو اپنی فہم و فراست سے دُور کرنے کی کوشش کرتاہے۔واضح رہے کہ شمس الرحمن فاروقی نے مرزاداغؔ کی نجی زندگی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کے محض پاک صاف اور گھریلو زندگی کے خاص خاص پہلوؤں کو ہی مس کیاہے،باقی وہ سب کچھ حذف کر گئے ہیں۔مختصر یہ کہ اِس ناول میں داغؔ کا کردار ایک کم گو،شائستہ کلام، صلح پسنداور ایک سنجیدہ فکر شاعر کا کردارہے۔

اِسی طرح وزیر خانم کی کوکھ سے جنم لینے والا آغامرزاتراب علی کا فرزند شاہ محمد آغا مرزا (۱۸۴۳ء۔ ۱۸۹۸ء)،جووضع قطع میں ہوبہواپنے باپ کی تصویر معلوم ہوتاتھا،بڑا ہوکراُس نے بھی فنِ شاعری میں خوب نام کمایا۔زبانِ فارسی میں اُس نے"شائق"،جب کہ ہندی میں "شاغل" تخلص اختیار کیااوربعدازاں وہ بساطِ شعروشاعری میں اُستادی کے درجے پر فائزہوا۔علاوہ ازیں خورشیدمرزاکا کردار بھی اِس ناول کاایک ضمنی کردارہے۔میرزا فخرو بہادر اوروزیر خانم نے خورشیدمرزا کی پرورش وپرداخت انتہائی نازو نعم سے کی۔وزیر خانم کی تربیت کی وجہ سے خورشیدمرزا کوبھی شعر وشاعری کا ازحدشوق تھا۔اپنے لیے اُس نے"خورشید"تخلّص پسند کیا۔فخروبہادر کے انتقال کے بعدجب وزیر خانم کو قلعہ بدر کیا گیا تو خورشید مرزا نے بھی قلعہ میں رہنا گوارا نہ کیا اور گردن تان کروزیر خانم کے ساتھ قلعہ سے روانہ ہو گیا۔مختصر یہ کہ اِس کردار کی فہم و فراست اور صلابتِ کردار قاری کو بہت متاثر کرتی ہے:

> "اگلے دن مغرب کے بعد قلعۂ مبارک کے لاہوری دروازے سے ایک چھوٹاسا قافلہ باہر نکلا۔ایک پالکی میں وزیر،ایک بہل پر اس کا اثاث البیت،اور پالکی کے دائیں بائیں گھوڑوں پر نواب مرزا خان اور خورشیدمرزا۔ دونوں کی پشت سیدھی اور گردن تنی ہوئی تھی۔محافظ خانے والوں نے روکنے کے لئے ہاتھ پھیلائے تو میرزاخورشید عالم نے ایک ایک مٹھی اٹھنیاں چونیاں دونوں طرف لٹائیں اور یوں ہی سر اٹھائے ہوئے نکل گئے۔ "(۸)

شاہ نصیر(۱۷۵۶ء۔۱۸۳۸ء)کا تذکرہ اِس ناول میں وزیر خانم کے اُستاد کی حیثیت سے ایک غائب کردار کے طور پر آیا ہے۔وزیرخانم کو"زہرہ"تخلص شاہ نصیر کی جانب سے ہی عطا ہواتھا۔شاہ نصیر کی اصلاح کاطریقہ یہ تھاکہ وہ وجہ بتائے بغیر براہِ راست اصلاح کیا کرتے تھے۔مزید یہ کہ اُن کا ترنم اورلحن بھی اُن کی اضافی خوبیوں کی جانب اشارہ کرتا ہے۔الفاظ کی خوب صورت ادائیگی میں بھی اُنھیں کمال حاصل تھا۔شاہ نصیر کےکردار کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ اُن میں دوسروں کے لیے محبت اورعزت وتکریم

کا جذبہ حد سے سوا تھا۔وہ اچھے سبھاؤ کے انسان تھے اور شاگردوں کی حوصلہ افزائی کرنا اُن کا شیوہ تھا،یہی وجہ ہے کہ ساری زندگی وزیر خانم اُنھیں رہ رہ کر یاد کرتی ہے، بالخصوص اُن کے دکن چلے جانے کے بعد تو وزیر خانم کو اُن کی یاد بہت ستانے لگتی ہے:

> "اسے شاہ نصیر صاحب یاد آئے کہ ان کی آواز میں عجب ترنم تھا،عجب لحن تھا۔اور ہر حرف کو وہ کس قدر خوبی سے ادا کرتے تھے،مولویوں کی طرح اکڑ اکڑ کر نہیں،جیسے گلا صاف کر رہے ہوں،بل کہ اِس طرح گویا انگور کی داربست پر نرم چھینٹے پڑ رہے ہوں۔"(۹)

گھنشیام لال عاصی(۱۷۹۸ء۔۱۸۶۵ء)زیرِ بحث ناول میں ادبی دنیا سے تعلق رکھنے والا بہادری اور بے باکی کی صفات سے مملو ایک اوراہم کردار ہے،جسے فاروقی نے اِس ناول میں ایک دبنگ کردار کے روپ میں پیش کیا ہے۔اِس کا بین ثبوت یہ ہے کہ گھنشیام لال عاصی نے تریسٹھ سالہ بہادر شاہ ظفر اوراُنیس سالہ زینت محل سے شادی کے موقع پر قطعہ تاریخ کے نام پر اُن کا خوب استہزا اُڑایا۔اِسی طرح شاہ نصیرؔ اور اُستاد ذوقؔ کی غزلیات کی بحث میں بھی اُنھوں نے شاہ نصیرؔ کا پُرزور اور بلند بانگ انداز میں ساتھ دیا،حالاں کہ دوسری جانب اُستاد ذوقؔ کی طرف داری بہادر شاہ ظفر کر رہے تھے،لیکن اِس کے باوجود گھنشیام لال عاصی نے حق اور سچ کا ساتھ دیا،اور بادشاہِ وقت سے ذرہ برابر خائف نہیں ہوا۔

امام بخش صہبائی ولی عہد میرزا فخرو سلطان کے اُستاد اور قریبی دوستوں میں سے تھے۔وہ شاعری،معمّا گوئی،عروض و بدیع و بیان میں کمال درجے پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے شعر کے سچے قدر دان بھی تھے۔چوں کہ امام بخش صہبائی اپنے زمانے کے فارسی زبان وادب کے جید عالم اوردلی کالج کے اُستاد بھی تھے،اِس لیے ایک عرصے سے میرزا فخرو سلطان کو فارسی کے درس دیتے چلے آرہے تھے۔ وزیر خانم اور میرزا فخرو سلطان کی شادی میں بھی امام بخش صہبائی کا سب سے اہم کردار تھا۔امام بخش صہبائی قلعے کی اندرونی سیاست سے بہ خوبی آگاہ ہونے کے باوجود عملی سطح پر قلعے کے انتظامی وسیاسی معاملات دُور رہتے تھے۔مختصر یہ کہ امام بخش صہبائی ایک ظریف الطبع فرض شناس،معمولی مشاہدہ،مگر تیز ذہن کے انسان تھے۔اِسی طرح میرزا فخرو بہادرسلطان کے دوست مرزا قادر بخش صابر (۱۸۰۸ء۔۱۸۸۲ء)بھی معمّا گوئی اورشعر وسخن کے دل دادہ تھے۔اِس ضمن میں وہ امام بخش صہبائی کے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

شاگرد تھے، تاہم اُن کی اکثروبیشتر مرزافخرو سلطان سے محفلیں رہاکرتی تھیں۔ مرزا قادر بخش صابر مرزافخرو سے صرف دوسال بڑے تھے، اِس کے باوجود مرزا فخروسلطان اُن کا بہت احترام کرتے تھے اور اُن کی آمد پر تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے۔ناول میں اِس کردار کی حیثیت خانہ پُری سے زیادہ نہیں۔

اِسی طرح نواب یوسف علی خان، جس نے وزیر خانم کی منجھلی بہن عمدہ خانم کو بغیر نکاح کے اپنے حرم کی زینت بنا رکھا تھا، ناول میں اُس کا کردار ہمہ وقت نوابی ترنگ میں ڈوبے ہوئے ایک ایسے شخص کا تاثر پیش کرتا ہے، جو اپنی نوابیت کے خول سے ایک ثانیے کے لیے بھی باہر نہیں نکلتا۔اُس کے رہن سہن، نشست و برخاست، لباس و طعام اور اندازِ گفتگو میں ایک ایسا رکھ رکھاؤ اور شانِ امارت پائی جاتی تھی کہ ایک ہی نظر میں لوگ اُس کی نوابی شان و شوکت سے مرعوب ہوجاتے تھے، تاہم وزیر خانم کی خانہ آبادی کے لیے کی گئی مساعی، اُسے ایک پُر خلوص بہی خواہ اور امدادگار کا منصب بھی عطا کرتی ہے۔ساتھ ہی ساتھ نواب یوسف علی خان ایک خوش فکر شاعر بھی تھے۔دہلی میں اُنھوں نے حکیم مومن خان مومن (۱۸۰۰ء۔۱۸۵۱ء) کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا، جب اُن کی وفات کے بعد مرزا غالبؔ کی شاگردی اختیار کی۔مومن کی شاگردی میں وہ "یوسف" تخلص کیاکرتے تھے، مگر غالبؔ نے اُن کا تخلص بدل کر "ناظم" تجویز کیا اور نواب یوسف علی خان کو اِسی تخلص سے شہرت حاصل ہوئی۔رام پور آنے کے بعد نواب موصوف نے یہاں باقاعدہ مشاعروں کا اہتمام کیا، جنھیں بہ طورِ خاص شہرت حاصل ہوئی۔

ازاں بعد نواب شمس الدین احمد خان کے سب سے چھوٹے بھائی نواب ضیا الدین احمد خان (۱۸۲۱ء۔۱۸۸۵ء) کا کردار آتا ہے، جو اُردو، فارسی، عربی، ترکی اور انگریزی ایسی زبانوں میں خاص مہارت رکھتے تھے۔اُن کا زیادہ تر وقت حصولِ علم میں صرف ہوتا تھا۔ ادب، انشا، تاریخ، سوانح رجال، تفسیر و حدیث، نجوم و ہیئت ایسے فنون میں اُنھیں مکمل دست گاہ حاصل تھی۔نواب ضیا الدین احمد خان کو اپنے سوتیلے بھائی نواب شمس الدین احمد خان سے بے حد محبت تھی اور نواب شمس الدین احمد خان کا رویہ بھی اُن کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ وہ بھی اپنے بھائی کو اچھے لفظوں سے یاد کیاکرتے تھے۔نواب امین الدین احمد خان (۱۸۴۱ء۔۱۸۶۹ء) کے ساتھ اُن کے تعلقات خاصے خراب تھے، کیوں کہ نواب امین الدین احمد خان کا رویہ اُن کے ساتھ آمرانہ تھا:

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

"ان میں اور بڑے نواب امین الدین احمد خان میں مکمل صفائی اور ہم آہنگی نہ تھی۔ ضیاالدین احمد خان کے خیال میں امین الدین احمد خان کا رویہ چھوٹے بھائی کے ساتھ غیر منصفانہ تھا اور اُنھیں ریاست کے محاصل و مراتب سے برابر کا حصّہ نہ ملتا تھا جس کے بخیال خود حقدار تھے۔دونوں بھائیوں کی عمروں میں خاصا تفاوت تھا اور چھوٹے بھائی کے بقول اِس تفاوت کے نتیجے میں باپ کی سی دلجوئی اور مہرورزی کی جگہ امین الدین احمد خان ان کے ساتھ آمرانہ اور مستبدانہ رویہ رکھتے تھے۔"[(۱۰)]

ضیاالدین احمد خان وزیر خانم سے شادی کا بھی خواہاں تھا،مگر دو تین بار وزیر خانم کے پاس آنے کے باوجود و ہ اپنے مقصد میں ناکام رہا اور ہزیمت الگ اُٹھانا پڑی۔نوابی ٹھاٹ بھاٹ کے حامل اِ س کردار میں قوتِ اعتمادی کی کمی کا شدید احساس ہوتا ہے۔

اِس ناول میں امین الدین احمد خان کے صاحب زادے علاء الدین احمد خان علائی(۱۸۳۳ء۔۱۸۸۴ء) کا سرسری سا تذکرہ ایک شعری قطعے کی بنیاد پر کیا گیا ہے،جو علاء الدین احمد خان علائی نے امرا کے کھانو ں کے ذوق کی مناسبت سے غالبؔ کے ایک قطعے کے جواب میں لکھا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ علائی کا کردار اِس ناول میں صرف ایک شاعر کی حیثیت سے نہایت اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اوریوں بھی علائی اور اُس کے مذکورہ قطعے کا تذکرہ اگر اِس ناول میں نہ بھی کیا جاتا تب بھی ناول کی کہانی اوراُس کی فنی وفکری حیثیت میں کوئی خاص فرق نہ پڑتا،کیوں کہ علائی اور اُن کا قطعہ ناول کی مجموعی کہانی سے کلی طور پر صریحاً کوئی سروکار نہیں رکھتا، لہٰذا اِس تکلف کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔اِسی طرح نواب کلب علی خان(۱۹۳۲ء۔۱۸۸۷ء) کا کردار بھی اِس ناول میں صرف نام کی حد تک اپناوجود رکھتا ہے۔گو کہ نواب موصوف نے دہلی اور لکھنؤ کے درباروں کے خاتمے کے بعد وہاں کے شعرا و ادبا کی جس طرح ان کے والد نواب یوسف علی خان اور بہ ذاتِ خود اُنھوں نے سرپرستی کی،وہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔[(۱۱)]، تاہم اِس ناول میں فاروقی نے نواب کلب علی خان کے بارے میں صرف اِس حد تک قاری کے لیے معلومات فراہم کی ہے کہ وہ نواب یوسف علی کے صاحب زادے تھے۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

وزیر خانم کی بیٹی سوفیہ(Sophia)کا پوتا سلیم جعفر،جس کا اصل نام حسیب اللہ قریشی تھا،بنیادی طور پر ایک لائق فائق، نفاست پسند، نستعلیق اور فروغِ علم کے لیے بلا معاوضہ کام کرنے والا ایک مخلص شخص تھا۔اُردو کا نام ور ادیب،نقاداور ماہرِ عروض ہونے کے ساتھ ساتھ اُس نے نظیر اکبر آبادی،غالب اور دیگر کئی کلاسیکی شعرا پر بھی قلم آزمائی کی۔علاوہ ازیں وہ سنسکرت،ہندی اور انگریزی زبان وادب پر ید طولیٰ رکھتا تھا۔تقسیمِ ہندوستان سے قبل وہ ایک اچھی ملازمت پر متمکن تھا،لیکن قیام پاکستان کے بعد اُسے اُس کی اہلیت و قابلیت کے مطابق کوئی مناسب روزگار نہ مل سکا۔یوں وہ میر پور خاص میں ایک مقامی وکیل محمد لطیف گاندھی کے ہاں معمولی ٹائپسٹ کی حیثیت سے کام کرنے لگا،تاہم اُس نے تحقیق وتنقید کا کام ساتھ ساتھ جاری رکھااورانتہائی عرق ریزی سے ''تحقیق اللغات''کے نام سے ایک شان دار لغت بھی لکھا۔ایک حادثے میں اُس کی دائیں کولھے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔یوں مسلسل پلنگ پر پڑے رہنے سے اُس کے سارے بدن پر آبلے اور زخم نکل آئے،جن میں پیپ اور بدبو پیدا ہوگئی،جس کی وجہ سے اُسے ایک رشتے کے ماموں کے ہاں کراچی لے جایا گیا،جہاں وہ کچھ عرصہ بعد دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔اُس نے مرنے سے قبل اپنے بیٹے شمیم جعفر کے نام تمام کاغذات محمد لطیف گاندھی کے حوالے کردیے،تاکہ بعد میں اُس کے بیٹے کو معاشی اعتبار سے کسی طرح کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔مختصر یہ کہ سلیم جعفر کا کردار ایک عدد محنتی اور انتہائی مشفق باپ کا کردار ہے،جو اپنی اولاد کے لیے بہتر مستقبل کی تلاش میں ہمیشہ سرگرداں رہا۔

بعینہٖ اعجازاحمد قریشی عرف شمیم جعفر(ف:۱۸۵۹ء)اپنے والد وسیم جعفر کی طرح اُردواور فارسی میں اچھی خاصی دست رس رکھتا تھا۔اُس کی شادی اُس کے والد کی ایک اینگلو انڈین قرابت دار خاتون ہرمائنہ ٹیمر (Hermione Mortimer)کی اکلوتی بیٹی پرڈیٹا مار ٹیمر(Perdita Mortimer)سے ہوئی تھی۔اُسے نواب مرزا داغ کی والدہ وزیر خانم،جو رشتے میں اُس کی پردادی لگتی تھی، اُس کے حالات جمع کرنے میں خاص رغبت تھی،جواُس نے بڑی محنت اور جاں فشانی سے مختلف کتابوں،بزرگوں کی یادداشتوں اور بڑے بوڑھوں سے پوچھ کر جمع کیے تھے۔شمیم جعفر کی زندگی کادوسرا حصہ دُکھ اورالم کی کیفیت لیے ہوئے ہے۔اِس دور میں وہ ایک حادثے میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا۔یوں اُس کی ملازمت بھی جاتی رہی اوروہ بنگال سے واپس آکرمیر پور خاص میں اپنے والد کے پاس رہنے لگا۔اِس دور میں شمیم جعفر نیم پاگل اور ذہنی طور پر ماؤف یا

مخبوط الحواس ذہن کے ساتھ ہر روز کشمیر کی وادیوں میں سوٹ بوٹ میں ملبوس ہو کر انگریزی بولتاہوا دکھائی دیتا تھا۔ بعض اوقات اپنے آپ کو اب بھی چائے کے باغ کا مینیجر خیال کیا کرتا تھا۔اِسی بنا پر بچے اُس کا مذاق اُڑاتے اور اُسے "ٹائم بابو" کہہ کر چھیڑا کرتے تھے۔باپ کے انتقال کے کچھ ہی دنوں بعد شمیم جعفر بھی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ شمیم جعفر کو خوش خوئی اور خوش اُسلوبی کے ساتھ گفتگو کرنے میں کمال حاصل تھا۔علاوہ ازیں اُسے حالات کی نزاکت کو سمجھنے کا شعور، پیچیدہ معاملات کو سلجھانے کی خاص اہلیت اور انسانی نفسیات سے بھی گہری واقفیت حاصل تھی۔

زیرِ بحث ناول کا ایک اوراہم کردار وسیم جعفر کا ہے۔وسیم جعفر کے والد شمیم جعفر کو جب بنگلہ دیش میں چائے کے باغ میں حادثہ پیش آیا تو اُس وقت وسیم جعفر کی عمر محض دس بارہ سال تھی۔اپنے دادا سلیم جعفر اور باپ شمیم جعفر کی وفات کے بعد اُس کی والدہ اُسے باپ دادا کی تہذیبی و ادبی روایات سے دُور رکھنا چاہتی تھی، مگر اُس نے اپنی ماں پرڈیٹامار ٹیمر کی خواہشات کے بالکل برعکس رویہ اختیار کرتے ہوئے شعوری طور پر اپنے آباؤاجداد کے آداب واطواراورروایات کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا۔اُس نے اُردو، فارسی اورانگریزی میں خصوصی طور پر دست گاہ حاصل کی ۔علاوہ ازیں اُسے مغل طرز کی مصوّری اور انیسویں صدی کے بعض ایسے گھرانوں کے حالات جمع کرنے کا بھی شوق تھا، جواپنے زمانے میں ہند اسلامی تہذیب کے علم وفن بالخصوص شاعری، مصوّری اورموسیقی میں نمایاں مقام رکھتے تھے ۔وہ ماضی کی قبریں کھود کر ہنداسلامی تہذیب کے مشاہیر علم وادب کو از سرِ نو زندہ کرنا چاہتا تھااوراس بات پر اُس کا پختہ ایمان تھا کہ وہ ایسا کر سکتاہے۔اِس مقصد کے حصول کے لیے وہ فرصت کے لمحات میں زیادہ ترانڈیا آفس لائبریری میں اٹھارویں صدی کے کاغذات کی چھان پھٹک اور ہند اسلامی تہذیب کے گم شدہ نقوش کی تلاش میں سرگرداں رہتا۔

ناول کا تیسرا باب "وسیم جعفر"، جو اوّل تا آخر لندن کے پس منظر میں لکھا گیا ہے، اُس میں وسیم جعفر اور ڈاکٹر خلیل اصغر فاروقی کے درمیان علم افروزاورذات کشا گفتگو ہوتی ہے۔وسیم جعفر کی طبیعت میں دورانِ گفتگو سسپنس اور سنسنی پیدا کرنے کی زبردست صلاحیت پائی جاتی تھی۔جن لوگوں نے وزیر خانم کے بارے میں تحریری طور پر زیادتی کی اُن کے ذکر پر وہ کسی قدر تیخ پااورترش کلام ہو جاتا تھا۔ مولانا محمد حسین آزاد (۱۸۳۰ء۔۱۹۱۰ء) سے نالاں ہونے کی وجہ توصاف ہے، لیکن وہ نیاز فتح پوری

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

(۱۸۸۴ء۔۱۹۶۶ ء) اور مرزا فرحت اللہ بیگ(۱۸۸۳ء۔۱۹۴۷ء) سے بھی اِس ضمن میں ناراض دکھائی دیتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی تحریروں میں اہلِ قلعہ اور داغؔ کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لیا۔اُس کے دل میں انگریزوں کے خلاف بھی شدید نفرت تھی۔

وہ برٹش لائبریری کے شعبہ کمپنی مصوّری کے اسسٹنٹ کیپر کے عہدے پر فائز تھا۔بظاہر وہ اپنی دنیا میں گم ایک دھان پان سا آدمی ،جو پھیپھڑوں کے سرطان میں مبتلا تھا،مگراُس نے اپنی بیماری کی کسی کو خبر نہ ہونے دی اور اپنی تلاش وجستجو میں مگن رہا۔اُس کے کردار کی ایک جہت یہ بھی ہے کہ اُسے کچھ حاصل ہویا نہ ہو وہ اپنی جستجو سے دست بردارنہ ہوتا تھا۔گویا وہ اپنی دھن کا پکا،دھیمے مزاج کاحامل،خاموش طبع ، اصول پرست اور مسلسل محنت وجستجو میں زندہ رہنےوالاانسان تھا۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے رفقامیں یکساں طورپراحترام کی نظرسےدیکھا جاتا تھا ۔ بات بات میں شعری تراکیب اورمحاورات وضرب الامثال کا برمحل اورحسبِ حال استعمال کا سلیقہ اُس کی گفتگو میں انفرادیت کاحسن پیدا کر دیتا تھا۔وہ مغربی شعرا سے بھی گہری واقفیت رکھتاتھا۔پرانی کتابوں، دستاویزات،تصاویر اورکلاسیکی شعرا سے دل چسپی اورنوادرات جمع کرنے کا اُسے بے انتہا شوق تھا،مختصر یہ کہ وہ اپنی ذات میں گم معلومات کا ایک خزانہ تھا:

> "وسیم جعفرکا دماغ اور بہت سی چیزوں کے علاوہ کسی بڑے عجائب گھر کے اُن کمروں سے مشابہ تھا،جن میں وہ اشیارکھی جاتی ہیں جنھیں نمائش پررکھناکسی باعث ممکن نہیں ہوتا۔ایسےکمروں میں ایک سےایک عجیب، دور ازکار،غیرمتوقع اور نادر سامان بھرا ہوتا ہے۔وسیم جعفر صاحب بھی ایسی ہی انوکھی معلومات کا خزانہ تھے۔" (۱۲)

ازاں بعدادب گلشن آبادی (۱۹۲۲ء۔۱۹۹۰ء) اورپروفیسرکرارحسین (۱۹۱۱ء۔۱۹۹۹ء) کےکردار، جوسلیم جعفرکے ساتھ مل کر ادبی تقاریب منعقد کیا کرتے تھے،گویاسلیم جعفر کی زندگی میں دل چسپی اوررنگارنگی پیداکرنے کے لیےاِن دونوں اصحاب کابڑااہم کردار رہا، بالخصوص پروفیسرکرارحسین کی فرمائش پرسلیم جعفر نے شاہ عبدالطیف بھٹائی کالج میں تقابلی لسانیات کے موضوع پر کئی کام یاب لیکچر دیےتھے۔علاوہ ازیں نواب زین العابدین خان عارف انیس بیس سالہ نوجوان،جس کی شادی نواب شمس

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

الدین احمد خان کی ہمشیر نواب بیگم سے ہوئی۔نواب زین العابدین خان عارف عربی،فارسی میں بہت اچھی،جب کہ تاریخ،ہیئت اور فلسفہ ایسے علوم میں معمولی استعداد رکھتا تھا۔شاعری میں وہ غالب کا شاگرد تھا۔نواب ہونے کے باوجود اُس کی مالی حالت کچھ زیادہ بہتر نہ تھی۔نواب زین العابدین خان عارف تپ دق کادائم المرض تھااور اِسی بیماری کی وجہ سے اُس کی موت ہوئی۔بعینہٖ نواب شمس الدین احمد خان کی دوسری ہمشیر جہانگیرہ بیگم کا شوہر میرزا اعظم علی خان سترہ اٹھارہ برس کا خوب صورت نوجوان،جو علم و فن سے بہ خوبی آراستہ تھا۔ اِس ناول میں اِن دونوں علمی و ادبی خصائص کے حامل کرداروں کی حیثیت محض خانہ پُری سے زیادہ نہیں۔

اِس ناول کے تاریخی وادبی کرداروں کا جائزہ لینے کے بعد اندازہ ہوتاہے کہ کسی بھی ناول کے کرداروں کوفطرتِ انسانی کے تقاضوں کے مطابق عمل پیرا ہونا چاہیے اوراگرکوئی ناول نگار ایسا کرنے میں ناکام رہے توایسا ناول قاری کی توجہ حاصل کرنے سے بھی محروم رہ جاتاہے، لیکن اِس ناول میں یہ سقم بہ ہرحال موجود نہیں،کیوں کہ اِن کرداروں کے درمیان قاری یوں محسوس کرتاہے،جیسے وہ اپنے اِرد گرد کے افراد سے مل رہا ہو۔یعنی بعض کرداروں سے اُسے ہمدردی اور اُلفت سی ہو جاتی ہے اور بعض سے نفرت سی۔یہ کردار قاری کے ذہن پر اِس طرح حاوی ہو جاتے ہیں، جیسے کوئی زندہ انسان ہماری زندگی کو متاثر کرتاہے۔اِس ناول کو پڑھتے ہوئے بار بار احساس ہوتا ہے کہ شمس الرحمن فاروقی کو اِن کرداروں سے گہری واقفیت ہی نہیں،بے پناہ ہمدردی اوراُنسیت بھی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے اِس ناول میں ارتقائی انداز کے حامل کردار تخلیق کیے ہیں۔اِس ناول میں بعض کردار ایسے بھی ہیں،جن سے ہم روز ملتے ہیں،گویااِس ناول میں اجنبی دیس کے لوگوں کی کہانی نہیں،بل کہ ایسے لوگوں کا ذکرہے،جنھیں ہم جانتے ہیں۔انسانی زندگی میں ہم جن مختلف افراد سے ملتے ہیں،اُن کے بارے میں ہمیں سب کچھ معلوم نہیں ہوتا،اور نہ ہی وہ افراد ہمیں اپنے بارے میں سب کچھ بتاتے ہیں،مگرایک اچھا ناول نگار کرداروں کے بارے میں کچھ اِس ڈھب سے بیان کرتا ہے کہ وہ کردار ہمیں ہمارے پیاروں سے بھی زیادہ عزیز محسوس ہونے لگتے ہیں۔

اِس ناول کی خاص بات یہ ہے کہ اِس میں چھوٹے چھوٹے کرداروں کو بھی نہایت توجہ اورسلیقہ مندی سے وضع کیا گیا ہے۔خاص طور پر ناول کے مرکزی اور ضمنی کرداروں کی ذہنی و نفسیاتی

کش مکش کی عکاسی کچھ اِس نہج پر کی گئی ہے کہ وہ نہ صرف اپنے عہد اورزمانے سے متاثر ہوتے ہیں،بل کہ اپنی ذات سے اپنے عہد کے سماج کو بھی متاثر کرتے ہیں۔(۱۳) فاروقی نے اِن کرداروں کے ذریعے اٹھارہویں اورانیسویں صدی کی تاریخ و تہذیب کو پیش کرتے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تہذیبی اشتراکات کو بہ طورِخاص پیش کیاہے۔بلا شبہ اِس ناول کے کرداروں کے ذریعے فاروقی نے اُس عہد کے نظامِ معاشرت کو بھی بے نقاب کرنے کی سعی کی ہے۔کہا جا سکتا ہے کہ اِس ناول میں اِس عہد کی روح سمٹ آئی ہے۔نہ صرف یہ کہ اِس ناول کے جملہ کردار تاریخی و ادبی دنیاکے جیتے جاگتے انسانی مرقعے ہیں،بل کہ بہ طور کرداراِس ناول کی بھی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔راست یہی ہے کہ اِس ناول کے ہر کردار کی اپنی ایک الگ دنیاہے،جس میں وہ کردار پوری طرح پیوست و جذب ہے۔چوں کہ اِس ناول کے اکثر کردار تاریخی وادبی دنیاسے تعلق رکھتے ہیں،لیکن اِس کے باوجود یہ کردار موم کی گڑیا معلوم نہیں ہوتے۔وہ اِس لیے کہ ایک ادب شناس ناول نگار نے اِن کرداروں کو اپنے عمیق تاریخی وادبی شعور کی بہ دولت حقیقت پسندی کے ساتھ مصوّر کیا ہے۔

حوالہ جات

۱. محمد احسن فاروقی،ڈاکٹر،سیّد نورالحسن ہاشمی،ڈاکٹر،ناول کیاہے؟یعنی ناول نگاری کا ٹکنیک،لکھنؤ:نسیم بک ڈپو،۱۹۶۰ء،ص۲۴

۲. محمد یٰسین،ڈاکٹر،ناول کا فن اور نظریہ،لاہور:دارالنوادر،۲۰۱۳ء،ص۱۳،۱۴

۳. ارشادحیدر،سیّد،کئی چاندتھے سرآسماں۔ایک مطالعہ،مشمولہ خدالگتی،(مرتبین)لئیق صلاح، ارشادحیدر، حیدرآباد: الانصار پبلیکیشنز،۲۰۱۲ء،ص۷۷

۴. مہر،غلام رسول،۱۸۵۷،لاہور:کتاب منزل،س ن،ص۱۸

۵. خلیق احمد نظامی،۱۸۵۷ءکا تاریخی روزنامچہ،دہلی:ندوۃ المصنفین،۱۹۵۸ء،ص۱۹۳

۶. شمس الرحمن فاروقی،کئی چاند تھے سرِ آسماں،کراچی:شہرزاد،۲۰۱۱ءص۲۳۸

۷. ایضاً،ص۶۵۶

۸. ایضاً،ص۸۱۳

۹. ایضاً،ص۱۷۴

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

۱۰. ایضاً، ص۱٦٦

۱۱. شکیبؔ، شبیر علی خاں، مؤلف، رام پور کا دبستانِ شاعری، رام پور: رام پور رضا لائبریری، ۱۹۹۹ء، ص۲۷۷، ۲۷۸

۱۲. شمس الرحمن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسماں، ص۳۱

۱۳. رشید اشرف خان، ڈاکٹر، کئی چاند تھے سرِ آسماں۔ایک تجزیاتی مطالعہ، دہلی: براؤن بک پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء، ص۱٦۲